اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ:71)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ایک عظیم الشان عمل کی دعوت:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ وہ نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ایک عظیم الشان عمل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ایمان والے مرد بھی اور عورتیں بھی ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔ گویا امت محمدیہ ﷺ پر دو ذمہ داریاں ہیں۔ ایک خود بھی شریعت پر عمل کرنا اور دوسرا اس کی بات کو دوسروں تک پہنچانا۔ یہ ذمہ داری مردوں پر بھی ہے اور عورتوں پر بھی۔ عورتیں اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے قریب کی عورتوں کو اور گھر کے محرم مردوں کو دین کی دعوت دے سکتی ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا:

وَالْمَرْءَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا

[عورت اپنے خاوند کے گھر کے اہل (بچوں) کے بارے میں ذمہ دار ہوتی ہے]

محدثین نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن عورت سے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا اور وہ اپنے اہل خانہ کو نیکی کا کتنا حکم کرتی تھی اور برائی سے بچنے کی کتنی تاکید کرتی تھی، اس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

اس اہم عمل کی طرف متوجہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں دین کے معاملہ میں دو قدم اٹھانے ہیں۔ ایک تو خود بھی شریعت پر عمل کرنا ہے، اس کو سیکھنے کے لئے آپ نے یہ کورس کیا اور ان چند دنوں میں آپ نے شریعت وسنت کی چند بنیادی باتوں کو سیکھا۔ اس طرح آپ کو دین کے بارے میں پہلے سے نسبتاً زیادہ علم حاصل ہوا۔ چنانچہ اب آپ اس پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو جائیں گی۔ اور دوسرا قدم یہ اٹھانا ہے کہ اب آپ نے اس علم کو دوسروں تک بھی پہنچانا ہے اور ان دونوں کاموں کو آپ نے اپنا مقصدِ زندگی بنانا ہے۔

سوچ کا فرق:

اکثر عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ہم گھر میں رہتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ وہ گھر کے اندر رہتے ہوئے دین کا کام کر سکتی ہیں اور ان سے فقط اتنا ہی مطلوب ہے۔ سوچ اور فکر کا فرق ہوتا ہے۔ جب عورت کے ذہن کے اندر دنیا سمائی ہوتی ہے تو یہ اپنے بچوں کو دنیا بہتر بنانے کے لئے ذہنی طور پر خوب تیار کرتی ہے اور جب اس کے دل میں آخرت کا سودا سما جاتا ہے تو یہ اپنے بچوں کو آخرت بنانے کے لئے خوب تیار کرتی ہے گویا سوچ کے دو انداز ہیں۔

(ا)......ایک انداز یہ ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا۔ یہ وہ سوچ ہے جو ہر عورت کے ذہن میں ہوتی ہے۔ وہ ہر دن میں سوچتی ہے کہ......میں کچھ بنا لوں......بچوں اور بچیوں کے رشتے اپنی

آنکھوں کے سامنے کرلوں ......اپنے بچوں کو اپنی زندگی میں سیٹ ہوتا دیکھ لوں ...... یہاں تک تو ہر عورت سوچتی ہے لیکن ایک سوچ اس سے آگے بھی ہے اور وہ سوچ کوئی کوئی عورت سوچتی ہے۔ وہ سوچ یہ ہے کہ

(۲)......بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا۔ اگر ہم یہ سوچ بھی سوچنا شروع کردیں تو ہماری زندگی میں ایک توازن آجائے۔ ہم فقط دنیا کے پیچھے ہی نہ بھاگتے پھریں بلکہ ہم دین اور دنیا دونوں کیلئے محنت کرنے والے بن جائیں۔

عورت کو چار طرح کی محبّت ملتی ہے:

(۱) ماں کی حیثیت سے (۲) بیوی کی حیثیت سے (۳) بہن کی حیثیت سے (۴) بیٹی کی حیثیت سے۔ عورت ان چاروں محبّتوں کی وجہ سے اپنے قریبی محرم مردوں سے اپنی باتیں منواتی ہے۔ ماں کی بات اولاد مانتی ہے، بیوی کی بات شوہر مانتا ہے، بہن کی بات بھائی مانتے ہیں اور بیٹیوں کی باتیں ان کے باپ مانتے ہیں۔ اگر ان کی دنیاوی باتیں مرد قبول کر لیتے ہیں تو جب وہ دین کی بات درد کے ساتھ ان کے سامنے پیش کریں گی تو وہ قبول کیوں نہیں کریں گے۔ بس یہی بات آج کی باتوں کا خلاصہ ہے اور آگے اسی کی کچھ تفصیل بیان کی جائے گی۔

اولاد کے دل میں ماں کی محبّت:

عام طور پر اولاد کے ساتھ ماں کا وقت زیادہ گزرتا ہے جس کی وجہ سے اولاد کے دل میں باپ کی نسبت ماں کی محبّت زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ جانور پالتے ہیں۔ کچھ لوگ شیر پالتے ہیں، کچھ لوگ ہاتھی پالتے ہیں اور کچھ لوگ سانپ پالتے ہیں۔ یہ بہت ہی خطرناک جانور ہیں لیکن یہ بھی اپنے پاس رہنے والوں کا لحاظ کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر......

☆ ......سرکس کے تماشوں میں دکھایا جاتا ہے کہ شیر نے منہ کھولا اور اس کی نگران لڑکی نے اس کے منہ میں سر دے دیا اور شیر نے اسے کچھ بھی تکلیف نہ پہنچائی۔

☆ ...... جرمنی میں آٹھ دس آدمی جو ہاتھی کو پالتے تھے وہ لائن میں لیٹ گئے۔ درمیان میں فاصلہ تھا۔ ہاتھی ان کے اوپر سے گزرتا ہوا چلا گیا اور اس نے ان میں سے کسی بندے کے اوپر پاؤں نہ رکھا۔

☆ اژدھا کتنا زہریلا ہوتا ہے لیکن جو اس کو پالتا ہے یہ اس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرتا ہے۔

اگر درندے بھی اپنے پالنے والے کا لحاظ کر لیتے ہیں تو انسان تو بالآخر انسان ہیں، اس لئے بچے اپنی ماں کا بہت لحاظ کرتے ہیں۔ ان کے دل کے اندر ماں کی محبّت رچی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج کی جدید تعلیم بچوں کے دماغ خراب کر دے، ان کو فاسق و فاجر بنا دے اور ان کو ماں کی قدر و منزلت کا احساس ہی نہ ہو۔ ورنہ فطرتِ سلیم رکھنے والا انسان ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ محبّت کرے گا اور یہ تکلّف اور بناوٹ کی محبّت نہیں ہوگی بلکہ ایک فطری محبّت ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے:

وَالْبَنَاتُ اِلَی الْاُمَّھَاتِ اَمْیَلُ وَلِقَوْلِھِنَّ اَرْغَبُ اور بیٹیاں اپنی ماں کی طرف بیٹوں کی نسبت بھی زیادہ مائل ہونے والی ہوتی ہیں اور ان کی بات کو زیادہ جلدی قبول کر لیتی ہیں۔

اسی لئے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ماں کی آنکھوں سے نکلنے والا آنسو ہے۔ یہ آنسو وہ کام کر دکھاتا ہے جو تلوار سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ جب بیٹی رشتے کے لئے نہیں مانتی اور ماں غم زدہ ہو کر آنسو بہا لیتی ہے تو بیٹی کا دل ماں کی آنکھوں سے آنسو دیکھتے ہی اتنا پسیج جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیتی ہے کہ امی! جیسے آپ لوگ چاہیں گے میں ویسے ہی کروں گی۔ اسی طرح کئی مرتبہ بیٹا ایک بات پر ضد کر رہا ہوتا ہے۔ ماں اگر اسے نرم اور شیریں الفاظ کے ساتھ کوئی بات سمجھاتی ہے تو یہ نرم الفاظ اس بیٹے کے

سینے میں اتر جاتے ہیں اور وہ اسی وقت اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔اسی لئے کہتے ہیں کہ بچے کی رمزیں اس کی ماں جانا کرتی ہے۔اگر ماں بچوں کے بارے میں اتنا جانتی ہے اور بچوں کے دل میں ماں کا اتنا مقام ہوتا ہے تو ماں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دین کی طرف بلائے۔فقط یوں کہہ دینا کہ جی ہم کیا کریں، ہماری تو وہ مانتا ہی نہیں، اس سے جان نہیں چھوٹے گی۔جب بچہ سکول اور کالج نہیں جاتا تو ماں کتنے حیلوں، بہانوں اور طریقوں سے اسے پریشرائز کرتی ہے حتیٰ کہ وہ بات مان لیتا ہے۔کبھی بولنا چھوڑ دیتی ہے، کبھی کھانا چھوڑ دیتی ہے اور کبھی کچھ اور کرتی ہے۔اگر دنیا کی خاطر یہ حیلے بہانے استعمال ہو سکتے ہیں تو دین کے لئے کیوں نہیں استعمال ہو سکتے۔بہرحال یہ ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کو نیک اور دیندار بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

☆......حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک چھوٹے سے بچے تھے۔ان کی والدہ اور والد ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔والدہ کا نام امِ سلیم رضی اللہ عنہا تھا اور والد کا نام مالک بن نضر رضی اللہ عنہا تھا۔ان کے والد کہیں سفر پر گئے۔بعد میں ان کی والدہ کو کسی محفل میں نبی علیہ السّلام کی نصیحت سننے کا موقع ملا اور اس نصیحت کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے فوراً شرک سے توبہ کر لی اور کلمہ پڑھ کر توحید باری کو قبول کر لیا۔جب مالک بن نضر واپس آئے تو ان کو ام سلیمؓ نے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔انہوں نے یہ سن کر رنج وغم کا اظہار کیا کہ تم نے میرے بغیر یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔وہ کہنے لگیں کہ مجھے اپنی موت کا ڈر تھا اور میں شرک پر نہیں مرنا چاہتی تھی، میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ آپ کے آنے میں دیر لگے اور میری موت کا وقت پہلے آجائے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں شرک پر مر جاؤں، اس لئے میں نے اسلام قبول کر لیا۔انہوں نے کہا کہ تم مسلمان ہو چکی ہو لیکن میں مسلمان نہیں بنوں گا۔وہ کہنے لگیں۔اچھا، لیکن میں اپنے بیٹے کو تو مسلمان بناؤں گی۔اب باپ نے ننھّے انس سے کہا، بیٹا! تم نے کلمہ نہیں پڑھنا۔امِ سلیمؓ نے بھی

کہا، بیٹا! تم کلمہ پڑھو۔ بیٹے نے ایک نظر باپ کو دیکھا اور ایک نظر ماں کو دیکھا اور ماں کے سامنے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا......اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ماں بچوں کو دین کی طرف اچھے انداز سے بلائے تو بچے اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔

جذبہ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز:

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ان کے چار بیٹے تھے۔ جب وہ اپنے بیٹوں کو کھانے کے لئے بٹھاتیں تو کہتیں، بیٹو! نہ میں نے تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی۔ بچے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ایک دن انہوں نے ماں سے پوچھ لیا، امی! آپ کیا کہتی ہیں ؟ پھر انہوں نے بتایا، بیٹو! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میں نے پاکدامنی کی زندگی گزاری ہے، جب میں کنواری تھی تو کوئی ایسا کام نہ کیا کہ تمہارے ماموں کی رسوائی ہوئی اور جب میری شادی ہوئی تو میں نے تمہارے باپ کے بستر پر کسی کو نہیں آنے دیا۔یعنی میں نے تمہاے باپ کے ساتھ بھی خیانت نہیں کی۔

بچوں نے کہا، اماں! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

وہ فرمانے لگیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جب تم بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور تم سب کے سب شہید ہو جانا۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ شہداء کی مائیں کہاں ہیں تو اس وقت انبیائے کرام کی موجودگی میں مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا اعزاز نصیب ہو جائے گا۔اور ساتھ یہ بھی کہتیں کہ بیٹو! خوب بہادری سے لڑنا، اگر تم میری زندگی میں شہید ہوئے تو میں آ کر تمہاری لاشوں کو دیکھوں گی، اگر تمہارے سینوں پر زخم ہوئے تو میں تمہارے لئے دعائیں کروں گی اور اگر تمہاری پشت پر زخم ہوئے تو میں تمہیں کبھی اپنا حق معاف نہیں کروں گی ...... جب ماں اپنے بچوں

کے ایسے جذبات بناتی تھی تو بچے بڑے ہو کر واقعی دین کے مجاہد بنتے تھے۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں۔ وہ بڑھاپے کی عمر میں تھیں۔ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ان دنوں حجاج بن یوسف نے کچھ الٹے سیدھے کام کیے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ جب حجاج بن یوسف کو پتہ چلا تو وہ ایک بڑا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آیا اور اس نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ اپنے رشتہ داروں کو لے کر نکلے۔ چونکہ ان کے لوگ تھوڑے تھے اس لئے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یہ اپنے گھر کے قریب تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن غالب آ رہا ہے تو یہ لوٹ کر اپنے گھر آ گئے۔ وہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے،

’’اے میری اماں! میں ابھی کچھ دیر کے بعد شہید کر دیا جاؤں گا، مگر آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ کام دنیا کی خاطر نہیں کیا بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کیا ہے، اب آپ بتائیں کہ آپ کا کیا مشورہ ہے؟‘‘

دیکھئے کہ اتنے فرمانبردار بیٹے ہوتے تھے کہ ایسے وقت میں بھی ماں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے ماں سے مشورہ لیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا،

’’بیٹا! اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ تم حق پر ہو اور یا پھر تم ناحق پر ہو۔ اگر تم حق پر نہیں ہو تو دنیا میں تم سے برا کوئی انسان نہیں جو ناحق پر ہونے کے باوجود دشمنوں کے ہاتھوں اپنے رشتہ داروں کو قتل کرواتا پھر رہا ہے، اور اگر تم حق پر ہو تو موت تو ویسے ہی تمہیں آنی ہے، ابھی آ جائے تو شہادت کی موت آئے گی۔ لہٰذا ڈرنے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟‘‘

یہ ماں کی نصیحت بھری بات سن کر مسکرائے اور فرمانے لگے،

''اماں! ارادہ تو میرا ابھی یہی تھا کہ میں باہر نکل کر مقابلہ کروں اور شہید ہو جاؤں، مگر میں نے سوچا کہ میں آپ سے دعائیں لے لوں۔''

اس وقت وہ لیٹی ہوئی تھیں، یہ سن کر وہ اٹھ بیٹھیں اور بیٹے کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اپنے بیٹے کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے عجیب وغریب دعائیں دینے لگیں۔ وہ فرمانے لگیں،

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا رات کو تیرے سامنے طویل قیام کرتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا تیری محبّت میں سجدے میں رویا کرتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ حجاز مقدس کی گرمی کے باوجود تیری محبّت میں دن میں روزے رکھتا تھا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا یہ بیٹا اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرنے والا بیٹا تھا، اے اللہ! میں نے اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کیا، تو مجھے اس پر صبر اور شکر دونوں کا اجر عطا فرما۔''

جب ماں سے دعا لے کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور مقابلہ کیا تو بالآخر شہید ہو گئے۔ دشمنوں نے ان کو پکڑ کر ایک چوک کے اندر پھانسی پر لٹکا دیا تا کہ دوسرے لوگوں کے لئے عبرت بن سکے۔ پولیس ان پر پہرہ دے رہی تھی۔ کوئی ان کو نیچے اتارنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ ان کی لاش چالیس دن تک اس چوک میں لٹکی رہی۔ حتیٰ کہ کھنچنے کی وجہ سے ان کی گردن لمبی ہو گئی۔

جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سنا کہ میرے بیٹے کی لاش آج تک پھانسی پر لٹکی ہوئی ہے تو وہ لاٹھی کا سہارا لے کر باہر نکلیں اور اس جگہ پر آئیں جہاں ان کے بیٹے کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگیں،

''ہے کوئی اس سوار کو سواری سے اتارنے والا، جو چالیس دن سے اپنی سواری پر سوار ہے؟''

ان کی بات سن کر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بالآخر لوگوں نے کوشش کر کے ان کو نیچے اتارا اور

دفن کر دیا......اللہ اکبر......اتنی جرأت والی مائیں ہوتی تھیں کہ اپنے بیٹوں کی قربانی دیکھ کر بھی ایسی ہمت والی باتیں کیا کرتی تھیں۔

ماں باپ فکری اختلاف سے بچیں:

ماں باپ کے فکری اختلاف کی وجہ سے باپ کی نصیحتیں بچے پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ باپ کتنا ہی نیک، پاک اور دیندار کیوں نہ ہو، اگر بیوی اس کے ساتھ متفق نہیں ہوگی تو وہ اپنی اولاد کو دیندار نہیں بنا سکے گا۔ باپ وعظ و نصیحت کر کے گھر سے باہر نکلے گا اور ماں صرف اتنا کہہ دے گی کہ تمہارے باپ کا تو دماغ خراب ہے تو بچے کہیں گے کہ امی ٹھیک کہہ رہی ہے۔اس لئے اولاد کو نیک بنانے کے لئے ماں باپ کی سوچ کا ایک ہونا انتہائی ضروری ہے۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے نے جو باپ کی بات نہ مانی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی بیوی کو رائے میں ان کے ساتھ اختلاف تھا......سب انبیائے کرام کی بیویاں پاکدامن عورتیں تھیں اور کردار کے لحاظ سے سب اچھی تھیں مگر چند حضرات ایسے تھے جن کی بیویوں میں سوچ کا اختلاف تھا......حضرت نوح علیہ السّلام کی بیوی بھی ان کی باتیں تسلیم نہیں کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے بیٹے نے ان کی بات نہ مانی اور باپ کی آنکھوں کے سامنے وہ بیٹا طوفان میں غرق ہو گیا۔اس لئے جو مائیں چاہتی ہیں کہ ہم اپنی اولاد کو نیک بنائیں ان کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنے خاوند کو اپنا ہمنوا بنائیں اور پھر دونوں مل کر اپنے بچوں کو دین کی طرف بلائیں۔اس طرح بچے دین کی طرف جلدی آئیں گے۔

خاوند کے دل میں بیوی کا مقام:

دوسری حیثیت بیوی کی ہوتی ہے۔اس کو خاوند سے محبّت ملتی ہے۔ ہر بیوی اپنے خاوند سے اپنی باتیں

منواتی ہے......کوئی کپڑا جوتی تک محدود رہتی ہے......کوئی اپنی پسند کا مکان بنواتی ہے......اور کوئی زیادہ سے زیادہ تیر مارتی ہے تو اپنے نام کوئی جائیداد کروا لیتی ہے۔ یہ بیوی پر منحصر ہے کہ وہ اپنے خاوند سے کس قسم کا کام لیتی ہے۔

☆ ......گلشن آرا بیگم ایک ملکہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے دہلی میں شالا مار باغ جیسا ایک بہت بڑا باغ بنوایا۔

☆ ......نور جہاں جہانگیر کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے ایک مقبرہ بنوایا۔ آج وہاں اتنا سناٹا ہوتا ہے کہ وہاں دن کے وقت بھی اندھیرا نظر آتا ہے۔

☆ ......ممتاز محل بھی ایک ملکہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے تاج محل بنوایا۔ وہ دنیا کا ایک عجوبہ کہلاتا ہے۔ مگر اس کا اسے کیا فائدہ ملا، اسے اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

☆ ......زبیدہ خاتون بھی ملکہ تھی۔ اس نے اپنے میاں سے کہا کہ حاجی لوگوں کو حج کے سفر میں پانی کی تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا آپ دریائے فرات سے لے کر میدانِ عرفات تک نہر بنوائیں۔ چنانچہ بیوی کی فرمائش پوری ہوئی اور اس نہر سے لاکھوں انسانوں اور جانوروں نے پانی پیا اور یہ اس کے لئے صدقہ جاریہ بنا۔

غور کیجئے کہ وہ چاروں ملکہ تھیں مگر ان میں سے تین نے ایسے کام کروائے جنہوں نے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیا اور ایک نے وہ کام کروایا جو اس کے لئے صدقہ ءجاریہ بن گیا۔

قرآن مجید سے دلیل ملتی ہے کہ خاوند بیویوں کی بات مانتے ہیں......فرعون اتنا ظالم تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ اس نے ہزاروں بچوں کو قتل کروایا۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام ایک ڈبے میں بند تیرتے ہوئے پہنچے اور اس کی بیوی آسیہؓ نے اس ڈبے کو کھول کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو

دیکھا تو اپنے خاوند سے کہنے لگیں:

لَا تَقْتُلُوْهُ ق عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص:9) اسے قتل نہ کرو، شاید کہ وہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

اب دیکھئے کہ جو ظالم اور جابر بادشاہ ہزاروں معصوم بچوں کو ذبح کروا چکا تھا، اس نے بھی اپنی بیوی کی بات کو اتنا مانا کہ وہ فوراً تیار ہو گیا کہ ہم اس بچے کو قتل نہیں کریں گے۔ گویا ہوم سیکرٹری کی اتنی پاور ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ اچھی انڈرسٹینڈنگ پیدا کر لے تو اس سے بڑے بڑے فیصلے اپنے حق میں کروا لیتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ بیوی شریعت کی وجہ سے اپنے خاوند کے تابع ہوتی ہے اور خاوند محبّت کی وجہ سے اپنی بیوی کا تابع ہوتا ہے۔ نیک اور دیندار بیویاں ایسی خدمت گزاری اور وفاداری کرتی ہیں کہ ان کے خاوند کہنے میں ان کے خاوند ہوتے ہیں جب کہ حقیقت میں ان کی باتوں کو ماننے والے اور ان کے ماتحت ہوتے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کیسے مسلمان ہوئے؟

جب مالک بن نضر فوت ہو گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ امِ سلیمؓ بیوہ ہو گئیں۔ مدینہ منورہ کے ایک شخص ابوطلحہ نوجوان بھی تھے، خوبصورت بھی تھے، ان کے پاس مال و دولت کی بھی بہتات تھی اور ان کی اتنی عزت تھی کہ ان کی رائے کا بہت ہی احترام کیا جاتا تھا۔ انہوں نے امِ سلیمؓ کی طرف رشتہ کا پیغام بھیجا...... چونکہ وہ قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اس لئے انہوں نے ڈائریکٹ پیغام بھیجا کہ میں آپ سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں...... اب یہ رشتہ ایسا تھا کہ اس کو کوئی ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا...... حضرت امِ سلیمؓ جانتی تھیں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ان سے دین کی بات چلائی اور فرمانے

لگیں:

’’ابوطلحہ! تم ایک ایسے شخص ہو کہ اگر تم کسی بھی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجو تو تمہارے پیغام کو کبھی رد نہیں کیا جائے گا، مگر تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں، تم لکڑی کے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو اور میں علیم وخبیر ذات کو پوجتی ہوں، بھلا میرے ساتھ تمہارا جوڑ کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘

حضرت امِ سلیمؓ نے اتنے پیارے انداز میں دین کی بات کہی کہ بالآخر ابوطلحہ نرم ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ نرم ہو چکے ہیں تو فرمانے لگیں،

’’میں تمہارے نکاح کے پیغام کو قبول کرتی ہوں اس شرط پر کہ میرے نکاح کا مہر تمہیں دینا ہو گا اور میرا مہر یہ ہو گا کہ تم دینِ اسلام کو قبول کرلو۔‘‘

یہ بات سن کر ابوطلحہ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا اور پھر اس کے بعد ان کا آپس میں نکاح ہوا۔ صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں کسی کا حق مہر امِ سلیمؓ کے حق مہر سے بہتر نہیں کہ انہوں نے اپنے حق مہر میں اپنے خاوند سے کہا کہ تم مسلمان بن جاؤ، یہی میرا حق مہر ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ انہوں نے فتح مکہ تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السّلام میرے قتل کا حکم نہ دے دیں۔ لہٰذا وہ مکہ سے بھاگ کر کہیں دور چلے گئے۔ ان کی اہلیہ امِ حکیمؓ بڑی دانا اور سمجھدار عورت تھیں۔ وہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئیں۔ اس کے بعد کہنے لگیں،

’’اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بڑے نرم دل ہیں اور اچھے اخلاق والے ہیں، میں آپ سے اپنے خاوند کی جان کی امان مانگتی ہوں۔‘‘

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، ''ہاں میں نے تیرے خاوند کو امان دی۔''

وہ بڑی خوش ہوئیں اور اپنے خاوند کو تلاش کرنے نکلیں۔ جب لمبا سفر کر کے ایک جگہ پہنچیں تو پتہ چلا کہ ان کا خاوند دریا پار کر کے دوسری طرف جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایک کشتی کرائے پر لی اور تیزی کے ساتھ چلیں اور دریا کے درمیان میں جا کر انہوں نے اس کی کشتی کے ساتھ اپنی کشتی ملائی اور اپنے خاوند کو پکار کر کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے تمہارے لئے جان کی امان مانگ لی ہے، آؤ واپس چلیں اور اب ہم اپنی زندگی مکہ میں گزاریں گے۔ چنانچہ ان کے خاوندان کی کشتی میں آگئے۔ جب کنارے پر واپس آئے تو انہوں نے مکہ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ان کو راستے میں ایک جگہ رات آ گئی تو میاں بیوی نے وہ رات وہاں گزاری۔ وہ کئی دنوں کی جدائی کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اس لئے اس تنہائی میں ان کے خاوند نے ان سے مطالبہ کیا کہ میں آپ سے میاں بیوی والے تعلّقات قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ام حکیمؓ اتنی دانا تھیں کہ فرمانے لگیں،

''دیکھیں! میں مسلمان ہوں اور آپ ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئے، لہٰذا میں آپ کی بیوی ہونے کے باوجود اس وقت آپ پر حلال نہیں ہوں، مگر انتظار کریں جب تک کہ آپ کلمہ نہیں پڑھ لیتے۔''

چنانچہ انہوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اپنے خاوند کو لے کر مکہ آئیں۔ جب خاوند نے کلمہ پڑھا تو اس کے بعد میاں بیوی کی ملاقات ہوئی...... اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دور کی بیویاں دین کے معاملہ میں کتنی پکی ہوتی تھیں۔ آج تو ذرا سی بات پر عورتیں بہانہ بنا لیتی ہیں۔ روگ ان کے اپنے اندر ہوتا ہے اور کہہ دیتی ہیں کہ میاں پردہ نہیں کرنے دیتا۔ اور کبھی میاں کے دل میں چور ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کیا کروں، بیوی نہیں مانتی۔ اس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کا نام استعمال کر رہے ہوتے ہیں جب کہ حقیقت میں ان کے اپنے اندر گند ہوتا ہے جو ان کو شریعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر رہا ہوتا

ہے۔اگر بیوی دنیا کے معاملات میں خاوند سے اپنی بات منوا لیتی ہے تو پھر یاد رکھیں کہ اچھے خاوند دین کے معاملہ میں بھی یقیناً اپنی بیویوں کی اچھی باتوں کو قبول کیا کرتے ہیں۔

جنگِ یرموک میں خواتین کا کردار:

جنگِ یرموک میں رومی لاکھوں کی تعداد میں تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جیسے ایک سفید گھوڑے کے ماتھے پر کالا داغ ہوتا ہے، ایسے ہی رومیوں کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تھی۔ جو رومی تھک جاتے تھے وہ پیچھے ہٹ جاتے اور تازہ دم لوگ آجاتے تھے۔مسلمان کئی گھنٹے ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ بالآخر جب وہ تھک گئے تو ان کا میمنہ یعنی دائیں طرف کا لشکر ذرا پیچھے کو ہٹنے لگا۔مسلمان خواتین خیموں میں موجود تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ایک صحابیہ سوداؑ بنت عاصم رضی اللہ عنہا ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں اور دوسری عورتوں سے کہنے لگیں،

''اری!تم کب تک خیموں میں بیٹھی رہوگی،تمہارے خاونداورتمہارے مرد تو پیچھے ہٹ کے آرہے ہیں۔

یہ بات سنتے ہی سب عورتیں خیموں سے باہر نکل آئیں۔اس وقت لبنیٰ بنت جریر رضی اللہ عنہا کہنے لگیں،

''اے عرب کی عورتو!تم اپنے اپنے آدمیوں کے سامنے کھڑی ہوجاؤاوراپنے معصوم بیٹوں کواپنے ہاتھوں میں اٹھالواوراپنے خاوندوں سے کہوکہ ہمیں اور ہمارے معصوم بچوں کو عجمی کافروں کے حوالے کر کے تم کہاں جارہے ہو؟''

چنانچہ مسلمان عورتوں نے عجیب بہادری کا مظاہرہ کیا اوراپنے معصوم بیٹے ہاتھوں میں اٹھائے اوراپنے خاوندوں کو دکھا کر کہنے لگیں کہ ہمیں اور ہمارے ان معصوم بچوں کو تم کافروں کے حوالے کر کے کہاں جاؤ گے۔ جب مسلمانوں نے اپنے معصوم بیٹوں کو دیکھا تو وہ واپس پلٹے اورانہوں نے رومیوں پر حملہ

کیا۔

اس موقع پر ہندہ رضی اللہ عنہا بن عتبہ بھی موجود تھیں۔ وہ اسلام لا چکی تھیں۔ وہ کہنے لگیں،

نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ

اِنْ تَقْبَلُوْا نُعَانِقْ اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور نرم گدوں پر چلنے والی ہیں۔ اگر تم لڑائی میں بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر لڑائی میں پشت دکھاؤ گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی، ایسی جدائی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ [

یہ اشعار کہہ کر کہنے لگیں،

''اے ہمارے خاوندو! اگر تم آگے جا کر کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہارے لئے بستر بچھائیں گی اور تمہارا استقبال کریں گی اور اگر تم بھاگ جاؤ گے تو پھر یاد رکھنا کہ پھر ہمیں کافر اپنے قبضے میں لے لیں گے اور تمہاری غیرتوں کا جنازہ نکل جائے گا۔''

اس کے بعد انہوں نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمانے لگیں،

''اے ابنِ حرب! دیکھو، تم نے اپنے زمانہ کفر میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو تکلیفیں پہنچائیں، آج ان تکلیفوں کی مکافات کرنے کا وقت ہے، آگے بڑھو اور اپنی جان دے کر اللہ اور اس کے رسول A کی نظر میں کامیاب ہو جاؤ۔''

انہوں نے ایسی اچھی باتیں کیں کہ مسلمان یہ باتیں سن کر لوٹے اور ایسا حملہ کیا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگِ یرموک میں فتح عطا فرما دی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمان عورتوں کا یہ ایسا کارنامہ تھا کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بھائیوں کی نظر میں بہنوں کا مقام:

اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ بھائیوں کی نظر میں بہنوں کا کتنا مقام ہوتا ہے۔اس کا اندازہ اس وقت لگایا کریں جب بہن کی رخصتی ہورہی ہوتی ہے تو اس وقت بھائی کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں اور وہ کونے میں چھپ کر کھڑا رورہا ہوتا ہے۔اس کی آنکھوں سے آنسو کیوں ٹپکتے ہیں؟ اس لئے کہ بھائی کو اپنی بہن کے ساتھ محبّت ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں اور ایک ہی گھر میں پلے ہوئے ہوتے ہیں۔اب جب بہن جدا ہورہی ہوتی ہے تو پھر بھائی کو بھی محسوس ہورہا ہوتا ہے کہ اب میری بہن مجھ سے دور ہوگئی، اللہ کرے کہ اسے قدردانوں کا ساتھ ملے، پتہ نہیں کہ میری بہن کے ساتھ کوئی کیسا معاملہ کرے گا۔اس بات کو سوچ کر بھائی رخصتی کے وقت رورہا ہوتا ہے۔

رضاعی بہن کا اکرام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہوازن قبیلے پر حملہ کیا تو اس وقت کچھ مرد وعورتیں گرفتار ہوئے۔ان میں سے ایک عورت کچھ زیادہ بوڑھی تھیں۔وہ صحابہ سے کہنے لگی،

”میں تمہارے صاحب کی بہن ہوں، لہٰذا تم مجھے اپنے صاحب کے پاس لے چلو۔“

چنانچہ صحابہ کرامؓ ان کو نبی علیہ السّلام کے پاس لے آئے۔وہ عورت اللہ کے محبوب ﷺ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی،

”میں آپ کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما ہوں، میں بکریاں چراتے ہوئے آپ کو ساتھ لے جایا کرتی تھی، آپ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھی اور ایک موقع پر آپ کو چوٹ لگی تھیں، اس کا نشان اب بھی موجود ہوگا۔“

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جب وہ زخم دیکھا تو آپ ﷺ کو پہچان ہوگئی کہ بات کرنے والی واقعی میری

بہن ہے۔ نبی علیہ السّلام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ ﷺ ان کے استقبال میں کھڑے ہو گئے اوران کے لئے چادر بچھائی اور فرمانے لگے،

’’ آپ میری اس چادر کے اوپر بیٹھ جائیے۔‘‘

اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا کہ بھائی کی نظر میں بہن کا کتنا مقام ہوتا ہے۔ پھر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انہیں فرمایا،

’’اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو میں آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا اور اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کی وجہ سے واپس اپنے قبیلے میں جانا چاہتی ہیں تو آپ کو جانے کی اجازت ہے۔‘‘

انہوں نے جانے کی اجازت مانگی ۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انہیں تین غلام ہدیے میں دیئے ......ایک لونڈی خدمت کے لئے دی ......اوران کو بکریوں کا پورا ایک ریوڑ بھی دیا ...... یوں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی بہن کو عزت واکرام کے ساتھ لوٹایا۔اس سے اندازہ لگایئے کہ جو نیک بھائی ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اپنی بہنوں کا کیا مقام ہوتا ہے۔ جب بھائیوں کے دلوں میں اپنی بہنوں کا اتنا مقام ہوتا ہے تو یہ بہنیں دین کے معاملہ میں بھی بھائیوں کو نصیحت کر سکتی ہیں۔

بھائیوں پر نیکی کی تعلیم کا اثر:

☆......سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے گھر ملنے کے لئے آئے۔اس دوران وہ وضو کرنے لگے۔ان کی ایڑی کا کچھ حصہ خشک رہ گیا۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا،

’’اے بھائی! میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے یہ بات سنی ہے کہ جس آدمی کے پاؤں کا کچھ حصہ بھی وضو میں خشک رہ جائے گا، قیامت کے دن اس کو جہنّم کی آگ میں جلایا جائے گا۔‘‘

بہن کی یہ بات سن کر بھائی نے دوبارہ وضو کیا اور مسجد تشریف لے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے بھائیوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

☆......ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے طے کر لیا کہ میری بیوی فوت ہو چکی ہے، میں اب دوبارہ نکاح نہیں کروں گے بلکہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رکھوں گا۔جب ان کی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو فرمانے لگیں،

''اے بھائی! تم ابھی جوانی کی عمر میں ہو،تم نکاح کا ارادہ کیوں ترک کر چکے ہو؟ اگر تم نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صاحبِ اولاد بنائے گا، اگر اولاد ایمان والی ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتی ہے، ہر سانس کے بدلے ان کے ماں باپ کے نامہء اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے،تم اس صدقہء جاریہ سے کیوں محروم ہوتے ہو؟''

انہوں نے اتنے اچھے انداز میں بات کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انہوں نے دوبارہ نکاح کر کے پھر ازدواجی زندگی گزاری۔اس سے پتہ چلا کہ پہلے وقت کی بہنیں اپنے بھائیوں کو دین کی طرف متوجہ کیا کرتی تھیں۔

باپ کی نظر میں بیٹی کا مقام:

باپ کی نظر میں اس کی بیٹیوں کا بڑا مقام ہوتا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادی کے موقع پر باپ اپنی زندگی کی پوری کمائی جہیز کی شکل میں دے دیتا ہے۔پھر جب بیٹی کی ڈولی رخصت ہوتی ہے تو اس وقت باپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دیکھنے میں تو اس کا بوجھ کم ہو گیا اور اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی،مگر نہیں،اس سے اس کا جگر گوشہ جدا ہو رہا ہوتا ہے،اس کا دل ڈر رہا ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کہ میری بیٹی کو وہ لوگ ویسی محبّت دیں گے بھی یا نہیں جیسی ہم دیا کرتے تھے۔یہ

بات سوچ کر اس کے دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے اور وہ بیٹی کی جدائی میں کھڑا رو رہا ہوتا ہے۔ باپ کے دل میں بیٹی کی کتنی محبّت ہوتی ہے؟ اس کی بھی حدیث پاک سے دلیل ملتی ہے۔

☆...... جب بدر کے قیدی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کئے گئے تو ایک قیدی ابوالعاص بھی پیش ہوئے۔ وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے مگر انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم مکہ سے مدینہ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، میں اسلام قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ غزوہ بدر کے بعد ہجرت کی غرض سے مکہ سے مدینہ آنے لگیں، تو راستے میں کافروں نے کہا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹی ہو کر بحفاظت کیسے جا سکتی ہو؟ لہٰذا انہوں نے ان کو سواری سے دھکا دے دیا اور وہ اونٹ سے نیچے آ گریں، ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا اور ان کو کمر میں درد بھی رہنے لگا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی تکلیف میں وقت گزارا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی لختِ جگر کی تکلیف دیکھ کر رو دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری اس بیٹی کو دین کی خاطر کتنی تکلیفیں دی گئیں۔

مکہ مکرمہ میں جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ میرے خاوند مدینہ منورہ میں قید ہو چکے ہیں اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزاد کرنے کا حکم دے دیا ہے تو انہوں نے بھی اپنا سونے کا ہار فدیے کے طور پر بھیجا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فدیہ لے کر قیدیوں کو واپس کر رہے تھے لیکن جب آپ ﷺ کی نظر کے سامنے اپنی بیٹی کا وہ ہار آیا جو آپ ﷺ نے جہیز کی شکل میں اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا تو اللہ کے محبوب ﷺ کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ آپ ﷺ کو اپنی بیٹی کی تکلیفیں یاد آئیں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم میرا مشورہ قبول کرو تو یہ ہار بھی واپس لوٹا دو اور اس بندے کو بھی آزاد کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے اس بات کو قبول کر لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنی بیٹی سے کتنی محبت تھی۔ یہ محبّت ہر باپ کو ہوا کرتی ہے۔ اگر باپ کے دل میں بیٹیوں کی یہ محبت ہوتی ہے تو وہ پیار محبّت اور منت سماجت سے اپنے باپ کو بھی دین کی طرف متوجہ کر سکتی ہیں۔ پھر دیکھئے کہ باپ اپنی بیٹی کی اس بات کو کیسے قبول کرتا ہے۔

☆...... نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دل میں نہ صرف بیٹیوں کی بلکہ بیٹیوں کی بیٹیوں کی محبّت بھی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابوالعاص آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ نے امامت کے وقت ان کو اپنے مبارک کندھے پر بٹھا لیا اور امامت شروع کروادی۔ صحابہ کرامؓ پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب رکوع میں جاتے تو اس بچی کو اتار کر قریب کھڑا کر دیتے، پھر سجدہ کر لیتے اور جب سجدے سے کھڑے ہونے لگتے تو اس بچی کو دوبارہ کندھے پر بٹھا لیتے۔ آپ ﷺ نے یہ پوری نماز اسی حالت میں پڑھائی کہ آپ ﷺ کی نواسی آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار تھی۔ جب بیٹیوں کی اولاد سے بھی محبّت ہوتی ہے تو پھر بیٹیوں سے کتنی محبّت ہوتی ہوگی۔

بیٹیوں کی ذمہ داری:

بیٹیاں اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ وہ اپنے باپ کو دین کی طرف پیار اور محبّت سے متوجہ کریں۔ ضروری نہیں کہ ایک دفعہ بات کرنے کے بعد دوسری دفعہ لڑ کر بات کی جائے، نرمی سے بار بار بات کرتی رہیں، اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ پانی کے نل سے پانی کا قطرہ ٹپ ٹپ گر رہا ہوتا ہے، نیچے پتھر ہوتا ہے اور اس پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ اگر پانی کا نرم سا قطرہ پتھر کے اندر بھی راستہ بنا لیتا ہے تو بیٹی کی آنکھ سے نکلنے والے آنسو کا قطرہ اپنے باپ کے دل میں راستہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ قیامت کے دن عورتوں سے ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے خود کتنا عمل کیا اور قریب کے محرم

مردوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنے محرم مردوں کو دین کی طرف کتنا بلایا۔

لمحہ فکریہ:

ذرا سوچیے کہ پہلی عورتیں اپنے محرم مردوں کو شہید ہونے کے لئے یوں تیار کر لیتی تھیں مگر آج کی بیویاں خاوندوں کو مسجد جانے کے لئے تیار نہیں کر پاتیں ...... مصلے پر کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں کر پاتیں ......سنت لباس کے لئے تیار نہیں کر پاتیں...... کتنی ایمانی کمزوری ہو چکی ہے کہ وہاں تو جانوں کی بازیاں لگ جایا کرتی تھیں اور یہاں پر فقط اپنی خواہشات کی بھی قربانیاں نہیں دی جاتیں ۔وہ کہتی ہیں کہ اگر خاوند نے ڈاڑھی رکھ لی تو کیسا لگے گا۔ ایسا ہر گز نہ سوچا کریں بلکہ نبی علیہ السّلام کی سنت کا دل میں غم ہونا چاہیے۔

یاد رکھئے کہ جب باپ کی کوئی چیز ضائع ہوتی ہے تو بیٹی کو زیادہ غم ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا،......''میں متقی لوگوں کا باپ ہوں۔''

لہٰذا جو متقی عورتیں ہیں نبی علیہ السّلام ان کے روحانی باپ ہیں۔ آج نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنتوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ ان کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اب بچیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے روحانی والد گرامی A کی ان سنتوں کے ذبح ہونے پر دکھ محسوس کیا کریں، تڑپا کریں اور اپنے گھروں کو نبی علیہ السّلام کی سنتوں سے مزین کیا کریں۔

ایک بات ذہن میں رکھنا کہ جب کسی پر مصیبت کا وقت ہو تو اس وقت کوئی بندہ اس کو کوئی میٹھے بول بول دیتا ہے تو اس کے میٹھے بول ہی اسے ساری زندگی یاد رہتے ہیں کہ اس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ آج اسلام کے اوپر مشکل وقت آچکا ہے۔ ہر طرف عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہے، فیشن پرستی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ پہلے ٹی۔وی اور وی۔سی۔آر نے تباہی مچائی ہوئی تھی، پھر کیبل آگئی اور اب رہی

سہی کمی انٹرنیٹ (Inter net) نے پوری کر دی ۔اب تو یہ Inter net بھی Enter net بن چکا ہے۔Enter کا مطلب ہے ''داخل ہونا'' اور Net کا مطلب ہے ''جال'' ۔گویا جو انٹرنیٹ پر بیٹھے گا وہ پنچھی کی طرح جال میں پھنس جائے گا۔اس انٹرنیٹ نے تو اتنی مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ آج نوجوان بچے اور بچیاں گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے گپیں مار رہے ہوتے ہیں جس سے ان کی دینی زندگی تباہ ہوتی جارہی ہے۔دین کے اس حال پر ہے کوئی تڑپنے والا؟

غور تو کیجئے کہ جب گھر میں آگ لگتی ہے اور مرد تھوڑے ہوتے ہیں یا کام پورا نہیں کر پا رہے ہوتے تو پھر عورتیں بھی پانی بھر کے دیتی ہیں کہ تم آگ کو بجھاؤ، ہم تمہاری مدد کرتی ہیں ۔بالکل اسی طرح آج دنیا میں گناہوں کی آگ لگ چکی ہے، مرد مدارس کی شکل میں ......دعوت وتبلیغ کی شکل میں ......اور اللہ کی مجالس کی شکل میں اس آگ کو بجھانے کی کوششیں کر رہے ہیں مگر وہ اکیلے کافی نہیں ہو سکتے ۔اس لئے نیک بچیوں، نیک بیویوں اور نیک ماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے محرم مردوں کی مددگار بن جائیں، گناہوں کی اس آگ کو بجھانے میں ان کی دستِ راست بن جائیں اور ان کی ہمتوں میں اضافے کا سبب بن جائیں ۔لہٰذا جن بچیوں نے یہاں دین سیکھا وہ اپنے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کر لیں کہ قیامت کے دن فقط ایک لڑکی یا عورت کی شکل میں کھڑا نہیں ہونا چاہتیں بلکہ ہم دین کی عالمہ اور دین کی داعیہ کی شکل میں پیش ہونا چاہتی ہیں ۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب نبی علیہ السّلام کے سامنے حوض کوثر پر امت کے عام لوگ جائیں گے تو فرشتے ان کو جامِ کوثر لے کر پلائیں گے، لیکن جب امت کے علماء اور عالمات وہاں پہنچیں گی تو نبی علیہ السّلام اپنے ہاتھوں سے پیالہ بھر کر ان کو پلائیں گے......اس کی مثال اسی طرح ہے کہ جب عام لوگ آتے ہیں تو گھر کا نوکر ان کو شربت پلا دیتا ہے اور جب کوئی معزز بندہ آتا ہے تو میزبان اپنے ہاتھوں سے جام بھر بھر کر پلاتا ہے......سبحان اللہ، وہ کتنے خوش نصیب لوگ

ہوں گے جن کو اللہ کے محبوب ﷺ اپنے ہاتھوں سے کوثر کا جام بھر کر پیش کریں گے اور پھر جب وہ جنت میں پہنچیں گے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ پلائیں گے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر: 21) اور ان کا پروردگار ان کو شراب طہور کا جام پلائے گا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے امام محمد! میں نے تیرے سینے کو علم کے لئے چنا تھا، اب مجھے لوگوں کے سامنے تیرا حساب لیتے ہوئے شرم آتی ہے، چل، میں نے تیرے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔

اسی طرح باقی علمائے کرام کو بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے جو تمہارے سینے کو علم کے لئے چنا، اب مجھے تم سے حساب لیتے ہوئے حیا آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو بلا حساب کتاب جنت عطا فرما دیں گے۔ وہ بچیاں بھی خوش نصیب ہیں جنہوں نے یہ کورس کیا۔ وہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں، ان کے والدین اور عزیز رشتہ دار بھی مبارک باد کے لائق ہیں، جس معلّمہ نے پڑھایا وہ مبارک باد کے لائق ہے۔ جس پرنسپل صاحبہ نے یہ انتظام کیا اور مدرسہ کے جتنے معاونین ہیں سب مبارکباد کے لائق ہیں۔

اب یہ بچیاں اپنے گھروں میں جائیں گی اور گھر میں دین کی دعوت چلائیں گی۔

......کوئی بہن ہوگی تو بھائی کو دعوت دے گی۔

......کوئی بیٹی ہوگی تو باپ کو دعوت دے گی۔

......کوئی بیوی ہوگی تو خاوند کو دعوت دے گی۔

......اور اگر کوئی ماں ہوگی تو اولاد کو دعوت دے گی۔

میں نے اس بات کو آپ کے سامنے قرآن وحدیث کی روشنی میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ قیامت کے دن آپ سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہءکلام:

خلاصہءکلام کے لئے ایک مثال پر ذرا توجہ فرمائیے گا۔ اگر آپ ایک ماں ہیں اور کھڑکی سے کھڑی دیکھ رہی ہیں کہ گلی میں آپ کے بیٹے کو غنڈوں نے پکڑا ہوا ہے۔ وہ اس کو کھینچ رہے ہیں، تھپّڑ مار رہے ہیں ،اس کے سر پر جوتے لگا رہے ہیں اور دھکے دے رہے ہیں تو ماں کی حیثیت سے آپ کے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا آپ آرام سے کھڑی ہوسکیں گی؟ نہیں، بلکہ روئیں گی، چیخیں گی، بھاگیں گی دوڑیں گی اور کہیں گی کہ میرے بیٹے کو کون ہاتھ لگانے والا ہے۔ لیکن قیامت کے دن ماں کھڑی ہوگی، اس کا بیٹا بے نمازی ہوگا، نافرمان ہوگا، سود کھانے والا ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ سود کھانے والے کو اللہ کے فرشتے دھکے دے کر جہنّم میں لے کر جا رہے ہوں گے، اس وقت جب ماں اسے دیکھے گی تو سوچیں کہ اس کے دل پر کیا گزرے گی؟

اسی طرح اگر آپ بیوی ہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ آپ کے خاوند کو کوئی لاٹھیاں مار رہا ہے اور آپ دور کھڑی دیکھ رہی ہیں تو آپ کے دل پر کیا گزرے گی۔ قیامت کے دن بیوی کے سامنے اس کے خاوند کو گرز مارے جائیں گے۔ اس وقت اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

اگر آپ بہن ہیں اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ گلی میں کوئی بندہ آپ کی بہن کا دوپٹہ چھین رہا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑ رہا ہے، اس وقت آپ کے دل پر کیا گزرے گی کہ کسی نے میری بہن کا دوپٹہ چھین لیا اور اسے بے عزت کر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بے پردہ عورت قیامت کے دن اللہ کے حضور

پیش ہو گی تو اس کے جسم کا لباس آٹو میٹکلی (خود بخود) گر جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے نگاہیں ہٹا لیں گے اور فرمائیں گے کہ اس بے پردہ ننگی عورت کو جہنّم میں ڈال دیا جائے۔اس وقت آپ کے دل پر کیا گزرے گی۔کاش! میں دنیا میں اپنی بہن کو پردہ کرنے کا کہہ دیتی اور یہ پردہ کر لیتی تو آج یہ سب کے سامنے بے پردہ نہ ہوتی اور جہنّم میں اوندھے منہ نہ گرائی جاتی۔اگر آج دنیا میں کوئی اپنے قریبی عزیز و اقارب کو بے عزت ہوتے دیکھے تو اس کے دل پر چھریاں چل جاتی ہیں، اگر قیامت کے دن کسی کو بے عزت ہوتا دیکھیں گی تو پھر کیا حال ہو گا۔لہٰذا آج اپنے قریبی لوگوں پر رحم کھانے کا اور محبّت کا تعلّق نبھانے کا وقت ہے۔چنانچہ اس دین پر خود بھی عمل کیجئے اور اپنے قریبی مردوں کو بھی دین کی طرف متوجہ کیجئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی، تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ